© rasailojaraid.com

درس قرآن

جناب پروفیسر مقبول احمد قاسمی

انما تعبدون من دون الله اوثانا وتخلقون افکا ان الذین تعبدون من دون الله لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند الله الرزق واعبدوه واشکروا له الیه ترجعون ٥

تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوا اوثان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں۔ بے شک جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوا مالک نہیں تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کے پاس روزی اور اس کی بندگی کرو اور اس کا حق مانو۔ اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قبل ازیں صنم اور وثن میں فرق کو واضح کیا جا چکا ہے۔ صنم سے مراد تراشیدہ بت ہے۔ اور وثن سے مراد ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم چونکہ ستاروں کی پوجا کرتی تھی۔ اس لیئے یہاں اوثان فرمایا۔ اور چونکہ ان ستاروں کی شکلوں اور ناموں پر انہوں نے بت بھی بنا رکھے تھے اور ان کی پوجا بھی کرتے تھے۔ لہذا بعض دیگر مقامات پر اصنام کا لفظ ارشاد فرمایا۔ مشرکین مکہ بتوں یعنی اصنام کی پوجا کرتے تھے۔ مگر ان کی تکذیب میں بھی یہ دونوں الفاظ استعمال کیئے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وثن کو بت (صنم) کہا جا سکتا ہے۔

تخلقون افکاً

حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے مروی ہے کہ افکاً سے مراد بت ہیں۔ گویا ان بتوں کا جو تم نے نام الٰہ اور معبود رکھا ہوا ہے۔ وہ سراسر جھوٹ اور کذب ہے۔ کیونکہ وہ الٰہ نہیں ہیں۔ بلکہ تمہاری طرح مخلوق ہیں۔ اور تم نے ان کو اپنے ہاتھوں سے تراشا اور سنوارا ہے۔ لہذا اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ جن کو تم خود اپنے ہاتھ سے بناتے ہو انہی کو معبود سمجھ بیٹھے ہو اور ان کا نام تم نے الٰہ رکھ دیا ہے۔ لکڑی اور پتھر سے بنائے گئے بتوں کو قابل عبادت سمجھنا اور ان کو معبود قرار دینا دنیا کا سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ الملل والنحل میں مذکور ہے۔ کہ عرب کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک قبیلہ بنو حنیفہ کے لوگ جس بت کی پوجا کیا کرتے تھے وہ آٹے کا بنا ہوا تھا۔ اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک مرتبہ شدید قحط پڑا اس افتاد میں ان لوگوں نے اپنے ہی معبود کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اس کا آٹا بنایا اور پھر اس کی روٹی پکا کر کھا گئے۔ کیا معبود اور الٰہ اس طرح کے ہوا کرتے ہیں؟ ان بتوں کو یہ مقدس نام دینا صریحاً کذب بیانی ہے۔

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ کہ اپنی طرف سے نام رکھ دینے یا بزعم خویش اپنا ایک عقیدہ و نظریہ بنا لینے سے چیزوں کی حقیقت و ماہیت نہیں بدل جاتی۔ اور ان کی حیثیت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اگر کوئی ماں اپنے ممتا کے جذبات سے مغلوب کر اپنے مفلوج، اپاہج اور لنگڑے لولے بیٹے کو رستم وسہراب سمجھتی ہے۔ یا وہ اپنے بدصورت، کریہ المنظر بیٹے کو حسن وجمال کا شاہکار سمجھتی ہے۔ تو اس کے ایسا سمجھنے سے بچے کی حقیقت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اور وہ جو کچھ ہے وہی رہتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مشکل کشا یا حاجت روا سمجھتا ہے۔ اس کو الٰہ یا معبود تصور کر لیتا ہے۔ تو اس سے اس کی ذات میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اور وہ "مشکل کشا" بھی مخلوق کا مخلوق اور محتاج کا محتاج رہتا ہے۔ اور اس مخلوق ومحتاج کو مشکل کشا کہنا اتنا ہی بڑا جھوٹ ہے۔ جتنا بڑا یہ جھوٹ کہ خانہ کعبہ کے اندر پڑے بت معبود والٰہ ہیں۔ یا وہ بت جنہیں حضرت ابراہیمؑ نے توڑا تھا۔ وہ مشکل کشا یا حاجت روا تھے۔

لا یملکون لکم رزقاً اس آیت میں فرمایا کہ جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ وہ تو بذاتِ خود ہر طرح سے محتاج ہیں۔ ان میں تو اتنی بھی طاقت اور ہمت نہیں کہ وہ اپنے وجود کو ہی قائم رکھ سکیں۔ وہ اپنے وجود کی تخلیق و بقا میں محتاج ہیں۔ وجود میں اس طرح کہ ان کو تم نے خود اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ جو اپنی شکل وصورت اور وجود میں تمہارے عمل کے مرہونِ منت ہیں۔ وہ لائقِ عبادت کیسے ہو سکتے ہیں۔ اور ان کا استحکام و بقا بھی رزق پر مبنی ہے۔ اور وہ اپنے رزق کے بھی خود مالک نہیں۔ اور جب وہ اپنے رزق کے بھی مالک نہیں تو وہ تمہیں کہاں سے رزق دے سکتے ہیں۔ لہٰذا تمہیں چاہیے کہ تمام تر رزق اللہ تعالیٰ سے مانگو کیوں کہ وہ ہی بے نیاز ہے۔ اور سب کو رزق دینے والا ہے۔ پہلی مرتبہ رزق کو نکرہ اور دوسری مرتبہ معرفہ بیان کیا جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ معبودانِ باطل تو رزق کے ایک ذرّہ کے بھی مالک نہیں۔ اور تمام تر رزق اللہ کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا اسی سے مانگو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب یہ ثابت ہو گیا کہ انسان کو رزق کا ایک ذرہ بھی اللہ کی ذات کے سوا دوسرا کوئی نہیں دے سکتا تو پھر اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کی جائے۔ ان کے سامنے سر بسجود کیوں ہوا جائے۔ اور انہیں نفع و نقصان کا مالک کیوں سمجھا جائے اور جب کہ رزق صرف اللہ ہی دیتا ہے۔ اس کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی جس کو چاہتا ہے کم اور جس کو چاہتا ہے زیادہ دیتا ہے۔ لہذا عبادت اسی کی کرنی چاہیے۔ اسی کا شکر بھی کرنا چاہیے۔ اور اسی کے سامنے دست دعا بلند کرنا چاہیے۔ یہ تو خالص ناشکری اور احسان فراموشی ہے۔ کہ رزق تو کسی کا کھایا جائے اور گن کسی کے گائے جائیں۔

الیہ ترجعون یہ الفاظ بھی سابقہ مضمون کی تائید کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان نے کس کے حضور پیش ہونا ہے؟ ان بتوں کے سامنے، ان اوثان کے سامنے اور ان مزارات و مشاہد میں مدفون بزرگوں کے سامنے یا اس ذات وحدہ لاشریک کے سامنے جس کا زندگی بھر رزق کھاتے رہے ہو۔ جب یہ بات طے شدہ ہے۔ کہ مرنے کے بعد اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ تو پھر دنیوی زندگی میں عبادت بھی اسی کی کی جائے شکر بھی اسی کا ادا کیا جائے۔ اور اسی کے سامنے سجدہ عجز و نیاز بجا لایا جائے۔ اسی کی خوشنودی و خوشی حاصل کی جائے۔ اور اس کے غضب و ناراضگی سے بچا جائے۔ اسی کے اوامر پر عمل کیا جائے۔ اور اسی کے نواہی سے بچا جائے۔ مرنے کے بعد جن کے سامنے حساب کتاب اور سزا و جزا کا تعلق ہی نہیں، ساری عمر انہیں راضی کرنے میں کیوں برباد کی جائے۔

وان تکذبوا۔ الایۃ یہ آیت حضرت ابراہیمؑ کا قول بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جملہ معترضہ کے طور پر آئی ہو۔ اور اس میں یہ بتایا گیا ہو کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔ تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ سے پہلے بھی اکثر قوموں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی۔ اور ان کی اس حرکت کا نقصان نبیوں اور رسولوں کو ذرہ بھر نہ ہوا۔ بلکہ اس کا نقصان سراسر تکذیب کرنے والوں کو ہوا حضرت قتادہؓ کا یہی قول ہے۔ اور علامہ ابن جریرؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ مگر بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی قول ہے اور جملہ معترضہ نہیں۔ حافظ ابن کثیر نے اس دوسرے قول کو پسند کیا ہے۔ اور تکذیب کرنے والی قوموں میں سے حضرت نوحؑ حضرت ادریسؑ اور حضرت شیثؑ علیہم السلام کی اقوام کو شمار کیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وما علی الرسول الا البلاغ المبین

اس مقام پر تین الفاظ قابلِ غور ہیں۔ رسول، بلاغ، مبین۔ رسول سے مراد وہ ذات ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنی وحی نازل فرماتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس بذریعہ وحی نازل کردہ پیغام کو لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ رسول کا ایک تعلق تو ان لوگوں کے ساتھ ہے جن کو وہ توحید کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور دوسرا تعلق ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو اس کی اس دعوت کو قبول کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں پہلی قسم کے لوگوں کے ساتھ تو رسول کا بس صرف اتنا تعلق ہے۔ کہ وہ ان تک اللہ کا پیغام پہنچا دے۔ اب ان کو اختیار ہے چاہے وہ اس پیغام کو قبول کریں یا نہ کریں۔ رسول کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اس پیغام کو ان کے دلوں کی گہرائیوں تک پہنچائے اور انہیں مسلمان و مومن بنا دے لیکن جہاں تک دوسرے لوگوں کا تعلق ہے۔ جو اس کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔ تو پھر رسول کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ کہ وہ ان کی تعلیم و تربیت بھی کرے۔ انہیں منظم بھی کرے اور ان پر حدود و قیود بھی نافذ کرے۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ بلاغ سے مراد یہ ہے۔ کہ مسائل (خواہ وہ اعتقادی ہوں یا عملی) کو رسول بیان کر دے اور وضاحت مخاطبین تک پہنچا دے۔ اور مبین سے مراد یہ ہے کہ وہ ان مسائل کو مبرہن کرے اور ان پر دلائل بیان کرے۔ امام رازی نے اسی آیت سے اصولِ فقہ کا یہ معروف و مشہور اصول اخذ کیا ہے۔ کہ رسول کے لیئے یہ جائز نہیں کہ وہ ضرورت بیان کے وقت تاخیر کرے۔ (تاخیر البیان عن وقت الحاجة لا یجوز)

وی۔ پی۔ آ رہا ہے: جن معاونین کرام کا سالانہ زرِ تعاون ختم ہو چکا ہے ان کے نام پرچہ بذریعہ وی۔ پی بھیجا جا رہا ہے۔ جس کا وصول کرنا ان کا دینی، جماعتی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

• دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ بصورتِ دیگر تاخیر کا ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

(مینجر)

© rasailojaraid.com